اصولِ کرخی کے تین قواعد کی تشریح!

مفتی محمد طارق محمود
لاہور

''اصولِ کرخی'' حنفیہ کے فقہی ضوابط پر ایک معروف رسالہ ہے، جس کا اصل نام ''مدار الأصول'' ہے، ایک تحقیقی کام کی مناسبت سے اس کے تین قواعد ۲۹، ۳۰، ۳۱ پر کچھ ملاحظات نوٹ کیے، جنہیں مضمون کی صورت میں پیش کیا جارہا ہے۔ پہلے کچھ تمہیدی اُمور ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان کے بعد ان تینوں قواعد کی عبارت مع ترجمہ ہے۔ اس کے بعد اُن کی صحیح مراد واضح کی گئی ہے۔

امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

ابوالحسن عبیداللہ بن حسین کرخی نام ہے۔ زمانہ ۲۶۰-۳۴۰ھ ہے۔ حنفیہ کے مشہور فقیہ اور اصولی ہیں۔ ابوبکر رازی، ابوعبداللہ دامغانی، ابوعلی شاشی، اور ابوالقاسم علی بن محمد تنوخی رحمہم اللہ آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ صوم وصلاۃ کے بڑے پابند اور فقر وحاجت پر بڑے صبر کرنے والے تھے۔ آخری عمر میں فالج ہوگیا تو تلامذہ نے بادشاہ سیف الدولہ کو ان کے بارے میں لکھا، آپ کو پتا چلا تو رو پڑے اور دعا کی: اے اللہ! میرا رزق وہیں سے دینا جہاں سے مجھے آپ دیتے ہیں۔ سیف الدولہ کا عطیہ ۱۰۰۰۰ درہم پہنچنے سے پہلے انتقال ہوگیا، رحمه الله رحمةً واسعةً. (ماخذه :الجواهر المضية : ۳۳۷/ ۱)

بعض نے ان پر معتزلی ہونے کا طعن کیا ہے، لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، جیسا کہ شرح مدار الاصول کے محقق دکتور اسماعیل عبد عباس نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

مجتہد شارح ہے، نہ کہ شارع

ہر چند یہ امر اجلی البدیہیات میں سے ہے کہ مجتہد کی حیثیت اسلامی قانون کی شرح کرنے والے کی ہے، نہ کہ قانون بنانے والے کی، لیکن تنبیہ کے درجے میں اہلِ علم کی کچھ نصوص درج کی جاتی ہیں:

'' قال الإمام أبو حنيفة : أخذ بكتاب الله، فما لم أجد فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فما لم أجد في كتاب الله ولا سنة رسوله أخذ بقول أصحابه، أخذ بقول من

شئت منهم وأدع قول من شئت، ولا أخرج من قولهم إلى قول غيرهم.''

(دراسات فی اصول الحدیث، ص:۱۴)

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں، جو بات اس میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو لیتا ہوں، جو بات کتاب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں نہ ملے تو آپ کے صحابہؓ کے قول کو لیتا ہوں۔ ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں (راجح ہونے کی بنا پر) لیتا ہوں، اور جس کے قول کو چاہتا ہوں (مرجوح ہونے کی بنا پر) چھوڑ تا ہوں۔''

''صح عنه (أى عن الإمام أبي حنيفة) أنهٗ قال: إذا صح الحديث فهو مذهبي. وقد حكٰى ذٰلك ابن عبد البر عن أبي حنيفة وغيرہٖ من الأئمة. ونقلهٗ أيضا الإمام الشعراني عن الأئمة الأربعة. ولايخفى أن ذٰلك لمن كان أهلا للنظر في النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها.''

(رد المحتار: ۱/ ٦٧، ٦٨، مطلب صح عن الإمام أنه قال: ''إذا صح الحديث فهو مذهبي'')

''امام ابوحنیفہؒ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب حدیث ثابت ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ ابن عبد البرؒ نے امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ سے یہ بات نقل کی ہے۔ اور امام شعرانیؒ نے بھی ائمہ اربعہؒ سے یہ بات نقل کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام اس کا ہے جو دلائل میں غور کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور محکم کو منسوخ سے جدا کر سکے۔''

''وفي الظهيرية: روي عن أبي حنيفة أنهٗ قال: لايحل لأحد أن يفتي بقولنا ما لم يعلم من أين قلنا.'' (البحر الرائق: ٦/٢٩٣)

''امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: کسی کو ہمارے قول پر فتویٰ دینا درست نہیں، جب تک کہ اسے اس کی دلیل معلوم نہ ہوجائے۔''

''قال زفر: لا تلفتوا إلى كلام المخالفين، فإن أباحنيفة وأصحابنا لم يقولوا في مسئلة إلا من الكتاب والسنة والأقاويل الصحيحة، ثم قاسوا بعد عليهما.'' (مناقب الموفق: ۱/ ۸۳)

''امام زفرؒ فرماتے ہیں: مخالفین کی باتوں کی پروا نہ کرو، کیونکہ ابوحنیفہؒ اور ہمارے علماء نے کتاب وسنت اور صحیح اقوالِ (صحابہؓ) سے ہی احکام لیے ہیں، پھر ان پر قیاس کیا ہے۔''

''ابن المباركؒ قال: لاتقولوا: رأي أبي حنيفة ولكن قولوا: تفسير الحديث.''

(الوجیز: ص ۵۰)

''عبد اللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں: ابوحنیفہؒ کی رائے نہ کہو، بلکہ کہو وہ حدیث کی تفسیر ہے۔''

''قال محمد بن الحسنؒ: لا يستقيم الحديث إلا بالرأي، ولا يستقيم الرأي إلا بالحديث.'' (اصول البزدوی، ص:۵)

’’امام محمدؒ فرماتے ہیں: ’’حدیث بغیر رائے کے سمجھ نہیں آتی، اور رائے بغیر حدیث کے صحیح نہیں ہوتی۔‘‘

’’ اعلم أن أصول الشرع ثلاثة : الكتاب والسنة وإجماع الأمة. والأصل الرابع القياس.‘‘ (المنار مع كشف الأسرار: ۱ / ۱۲)

’’جان لو کہ شریعت کی دلیلیں تین ہیں: کتاب، سنت اور اجماعِ امت، اور چوتھی دلیل قیاس ہے۔‘‘

’’ قال أبوعمر : ليس أحد من علماء الأمة يثبت حديثًا عن رسول الله ثم يردهٗ دون ادعاء نسخ بأثر مثلهٖ أو باجماع أو بعمل يجب على أصله الانقياد إليه أو طعن في سندهٖ. ولوفعل ذٰلك أحد سقطت عدالتهٗ فضلًا عن أن يتخذ إماما ولزمه اسم الفسق ولقد عافاهم الله عزوجل من ذلك.‘‘ (جامع بيان العلم: ۲ / ۱۰۸۰)

’’ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ علمائے امت میں سے کوئی نہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) کی حدیث نقل کرے اور پھر اسے رد کردے بغیر اس کے کہ اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرے۔ اس جیسی حدیث سے یا اجماع سے یا اس عمل سے جسے اس کے اصول کے مطابق لینا ضروری ہو، یا سند میں طعن کرے۔ اور اگر ایسے کرے (بغیر معارض کے حدیث کو رد کرے) تو اس کا دیندار ہونا ہی ختم ہوجائے گا، چہ جائے کہ اسے امام بنایا جائے، اور وہ فاسق ہوجائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انھیں (ائمہ کو) اس سے محفوظ رکھا ہے۔‘‘

ابن عبدالبرؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی براءت کے بیان میں یہ بات کہی ہے۔

’’حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تقلید کی تفسیر یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی احادیث وارشادات پر عمل کرتے ہیں، اس تفسیر پر جو امام ابوحنیفہؒ نے بیان کی ہے۔ اتباعِ حدیث مقصود بالذات ہوگا اور امام ابوحنیفہؒ محض واسطہ فی التفہیم ہوں گے۔ جس مسئلے میں اختلاف ہوتا ہے، اس میں احادیث مختلف ہوتی ہیں۔‘‘ (خطبات حکیم الامت: ۱۵/ ۳۱، ۳۲)

مجتہد کا قول حدیث کے مخالف ہو تو چھوڑ دیا جاتا ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’حاصل یہ ہے کہ یہ حکم مخالفت کا (یعنی مجتہد کے کسی قول کے حدیث کے مخالف ہونے کا حکم) ایسے شخص کا کام ہے جو روایات میں متبحر ہو، درایت میں حاذق ومبصر ہو، اور جس شخص میں بعض صفات ہوں، بعض نہ ہوں، اس کا حکم کی مخالفت کرنا معتبر نہیں، جیسا مقصد سوم میں ثابت ہوچکا ہے کہ ہر حافظِ حدیث کا مجتہد ہونا ضروری نہیں، جس سے منصف کو یہ بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ جب حفاظِ حدیث کو وجوہِ استنباط کا پتہ نہیں لگتا تو آج کل جہلاء بے چارے اس کا احاطہ کب کرسکتے

ہیں؟ .... چنانچہ ایسے جامع لوگوں نے جب کبھی کوئی قول مخالفِ دلیل پایا فوراً ترک کر دیا۔ جیسا حرمتِ مقدار، قلیل مسکرات اور جوازِ مزارعت میں کتبِ حنفیہ میں امام صاحبؒ کے قول کا متروک ہونا مصرح ہے، لیکن ایسے اقوال کی تعداد غالباً دس تک بھی نہ ہوگی، چنانچہ ایک بار احقر نے تفصیلاً تتبع کیا تو بجز پانچ چھے مسائل کے کہ ان میں تردد رہا، ایک مسئلہ بھی حدیث کے مخالف نہیں پایا گیا۔ اور وجوہِ انطباق کو ایک رسالہ کی صورت میں بھی ضبط کیا تھا، مگر اتفاق سے وہ تلف ہوگیا، مگر اس کے ساتھ ہی مجتہد کی شان میں گستاخی کرنا حرام ہے، کیونکہ انھوں نے قصداً خلاف نہیں کیا، خطائے اجتہادی ہوگئی، جس میں بروئے حدیث ایک ثواب کا وعدہ ہے۔‘‘

(الاقتصاد في التقليد والاجتهاد، ص:٥٦)

اور فرماتے ہیں:

’’متبحر عالم اگر کسی مسئلہ کو خلافِ دلیل سمجھے تو اس کا سمجھنا معتبر ہوگا۔ ایسے حضرات کا فہم معتبر ہوسکتا ہے حضرت مولانا گنگوہیؒ، حضرت مولانا نانوتویؒ۔‘‘ (تحفۃ العلماء، ص:٨٦٦، افادات حضرت تھانویؒ)

’’إذا أفتى المجتهد وظهر أن فتواه مخالف للكتاب أوالسنة وجب علينا اتباع الكتاب والسنة. روى البيهقي في المدخل بإسناد صحيح إلى عبد الله بن المبارك قال : سمعت أباحنيفة يقول : إذا جاء عن النبي ﷺ فعلى الرأس والعين.‘‘ (المظهري : ٥٣/ ٢)

’’قلت : ولايظهر ذلك إلا لمجتهد كامل أو لمجتهد في المذهب بشرائط ولايظهر ذلك لكل أحد من الناس، فافهم.‘‘(أحكام القرآن للعثماني :٢ / ٢٩٤)

’’جب مجتہد نے فتویٰ دیا اور اس کے فتویٰ کا کتاب یا سنت کے مخالف ہونا ظاہر ہوا تو ہم پر کتاب وسنت کی پیروی واجب ہے۔ بیہقیؒ نے المدخل میں عبداللہ بن مبارکؒ تک صحیح سند سے روایت کیا ہے، کہتے ہیں: میں نے امام ابوحنیفہؒ کو فرماتے ہوئے سنا: جب نبی اکرم ﷺ سے کوئی بات ثابت ہو تو وہ سر آنکھوں پر ہے۔ میں (مولانا ظفر احمد عثمانی) کہتا ہوں: یہ (مخالفت کا فیصلہ) مجتہد کامل یا مجتہد فی المذہب ہی کا حق ہے شرائط کے ساتھ۔ ہر شخص یہ نہیں کہہ سکتا۔‘‘

’’قال النووي : وهٰذا الذي قاله الشافعي (أي قوله : إذا صح الحديث فهو مذهبي) ليس معناه أن كل أحد رأى حديثًا صحيحًا، قال: هٰذا مذهب الشافعي وعمل بظاهره. وإنما هٰذا فيمن لهٗ رتبة الاجتهاد في المذهب على ماتقدم من صفته أو قريب منه. وشرطه أن يغلب على ظنه أن الشافعي لم يقف على هٰذا الحديث أو لم يعلم صحته. وهٰذا إنما يكون بعد مطالعة كتب الشافعي كلها ونحوها من كتب أصحابه الآخذين عنه وما أشبهها. وهٰذا

شرط صعب قل من يتصف به. وإنما اشترطوا ما ذكرنا، لأن الشافعي ترك العمل بظاهر أحاديث كثيرة رآها وعلمها، لكن قام الدليل عندہٗ على طعن فيها أو نسخها أو تخصيصها أو تأويلها أو نحو ذٰلك. قال الشيخ أبوعمرو: ليس العمل بظاهر ما قاله الشافعي بالهين، فليس كل فقيه يسوغ له أن يستقل بالعمل بمايراه حجة من الحديث.'' (المجموع شرح المهذب: ٦٤/ ١)

''نوویؒ کہتے ہیں: اور یہ جو امام شافعیؒ نے فرمایا ہے (کہ جب حدیث ثابت ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے) اس کے یہ معنی نہیں کہ جو بھی صحیح حدیث دیکھے، یہ کہنے لگے کہ یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور اس کے ظاہر پر عمل کرلے۔ یہ صرف اس کے لیے ہے جسے اجتہاد فی المذہب کا رتبہ حاصل ہو، جیسے پہلے بیان ہوا یا اس کے قریب ہو۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ اسے گمانِ غالب ہوجائے کہ امام شافعیؒ کو یہ حدیث نہیں ملی یا اس کا صحیح ہونا انھیں معلوم نہیں ہوا۔ اور یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ جب شافعیؒ کی سب کتب کا مطالعہ ہوجائے اور ان کے تلامذہ وغیرہ کی کتابوں کا بھی مطالعہ ہوجائے، اور یہ کڑی شرط ہے۔ کم لوگ اس درجے کے ہوتے ہیں۔ اور یہ شرط اس وجہ سے لگائی ہے کہ امام شافعیؒ نے بہت سی احادیث جو انھیں معلوم تھیں ان کے ظاہری معنی ترک کردیے، کیونکہ ان میں طعن یا نسخ یا تخصیص یا تاویل وغیرہ کی دلیل ان کے ہاں پائی گئی تھی۔ شیخ ابوعمرو فرماتے ہیں: امام شافعیؒ کے قول پر عمل کرنا آسان نہیں۔ ہر فقیہ کو یہ حق نہیں کہ وہ جو حدیث صحیح سمجھے، اس پر عمل کرنے میں خودمختار ہوجائے۔''

اور ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ کے اس قول کی جو مراد ہے، وہی دیگر ائمہ کے اس قول کی مراد ہے۔

حسن ظن ہر مسلمان کا حق ہے

''قال المهلب: قد أوجب الله تعالىٰ أن يكون ظن المؤمن بالمؤمن حسنًا أبدًا إذ يقول: ''لَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ إِفْكٌ مُّبِيْنٌ'' (النور:١٢) فإذا جعل الله سوء الظن بالمؤمنين إفكًا مبينًا، فقد ألزم أن يكون حسن الظن بهم صدقًا بيّنًا.''

(شرح صحيح بخاري ابن بطال: ٢٦١/ ٩، ومثله في التفسير المظهري: ٤٧٦/ ٦)

''مہلب کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے لازم ٹھہرایا ہے کہ مومن کا مومن کے ساتھ گمان ہمیشہ اچھا ہو، چنانچہ فرمایا ہے: ''جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے؟'' جب اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے بارے میں بدگمانی کو کھلا جھوٹ قرار دیا ہے، تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا کھلا سچ ہے۔''

’’عن سعيد بن المسيب قال : كتب إلي بعض إخواني من أصحاب رسول الله ﷺ أن ضع أمر أخيك على أحسنه مالم يأتك ما يغلبك ولا تظن بكلمة خرجت من امرئ مسلم شرًا وأنت تجد له في الخير محملاً . . . وقد روينا بعض هٰذه الألفاظ عن أمير المؤمنين عمر.‘‘ (شعب الإيمان: ۱۰/ ۵۵۹، ۷۹۹۲)

’’سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں: بعض صحابہؓ نے مجھے لکھا: اپنے بھائی کے حال کو اچھے سے اچھا سمجھو جب تک کہ اس کے خلاف کوئی پکی بات تمھیں معلوم نہ ہوجائے۔ اور کسی مسلمان کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو برا نہ سمجھو جب تک کہ اس کے اچھے معنی مراد لے سکو۔ ان میں سے کچھ الفاظ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ہم نے روایت کیے ہیں۔‘‘

اُصولِ کرخی کے تین قواعد ۲۹-۳۱

’’التاسع والعشرون قال : إن كلّ آية تخالف قول أصحابنا فإنها تحمل على النسخ أو على الترجيح، وأولٰى ذٰلك أن تحمل على التأويل من جهة التوفيق. الثلاثون قال : خبر يجيء بخلاف قول أصحابنا فإنه يحمل على النسخ أو على أنه معارض بمثله، ثم يصار إلٰى دليل آخر ويرجح كما يحتج به أصحابنا من وجوه الترجيح أو يحمل على التوفيق. وإنما يفعل ذلك على حسب قيام الدليل. فإن قامت دلالة النسخ يحمل عليها وإن قامت الدلالة على غيره صرنا إليه على حسبه.

الحادي والثلاثون قال : إذا ورد عن الصحابي مخالفًا لقول أصحابنا، فإن كان لايصح في الأصل كفينا مؤنة جوابه وإن كان صحيحا في مورده، فقد سبق ذكر أقسامه وهو الحمل على النسخ أو على أنهٗ معارض بمثله إلا أن أحسن الوجوه وأبعدها عن الشبهة أنه إذا ورد حديث الصحابيؓ في غير موضع الإجماع أن يحمل على التأويل بينهٗ وبين صحابي مثله.‘‘

(أصول الكرخي مع شرحه للنسفي، ص: ۸۶ - ۹۴)

’’اُنتیسواں قاعدہ: ہر آیت جو ہمارے علماء کے قول کے مخالف ہو تو وہ منسوخ یا مرجوح سمجھی جائے گی، اور بہتر یہ ہے کہ اس میں تطبیق کی رو سے تاویل سمجھی جائے۔

تیسواں قاعدہ: جو حدیث ہمارے علماء کے قول کے خلاف ہو تو اسے منسوخ یا معارض بالمثل سمجھا جائے گا، پھر دوسری دلیل کی طرف رجوع ہوگا اور ترجیح دی جائے گی، جیسے ہمارے علماء دلیل لیتے ہیں، وجوہِ ترجیح میں سے یا تطبیق پر محمول کیا جائے گا، اور یہ دلیل کی نوعیت کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ اگر نسخ کی دلیل ہو تو یہ مراد لیا جائے گا، اور اگر کسی اور معنی کی دلیل ہو تو وہ مراد لیا جائے گا۔

اکتیسواں قاعدہ: جب صحابیؓ کا کوئی قول ہمارے علماء کے قول کے مخالف ہو تو اگر وہ ثابت ہی نہیں

تو اس کے جواب کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر ثابت ہو تو اس کی قسمیں پہلے ذکر ہو چکی ہیں، یعنی منسوخ سمجھنا یا معارض بالمثل سمجھنا، تاہم سب سے بہتر یہ ہے کہ جب قولِ صحابیؓ اجماعی مسئلے کے علاوہ کسی مسئلے میں آئے تو اس طرح کے دوسرے صحابیؓ کے قول کی بنا پر اسے مؤول سمجھا جائے۔''

ان قواعد کی صحیح مراد

مجتہدین نے ایک مسئلے سے متعلق سب دلائل کو پیشِ نظر رکھ کر حکم معلوم کیا ہے۔ اس میں یہ صورت بکثرت پیش آتی ہے کہ دلائل میں بظاہر تعارض ہو۔ دلائل میں یہ صوری تعارض کیوں ہوتا ہے؟ یہ ایک مستقل مبحث ہے، تاہم یہ واقع ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ رفعِ تعارض میں مجتہدین کے مناہج ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہیں، تاہم رفعِ تعارض کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض دلائل کے ظاہری معنی مراد لیے جاتے ہیں اور بعض جمع بین الادلّہ کی غرض سے ظاہری معنی چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ کوئی دلیل منسوخ، کوئی مؤوّل اور کوئی مرجوح قرار پاتی ہے، اور یہ سب دلیل کی بنیاد پر ہوتا ہے، چنانچہ مثلاً ''إعلاء السنن'' میں چند ابوابِ فقہ کے دلائل کی تفصیل دیکھنے سے یہ واضح ہوگا۔ اب جس کی نظر ایک بحث کے سب دلائل پر ہے، اسے معلوم ہو سکے گا کہ کس دلیل کے کیا معنی سمجھے گئے ہیں، اور جس کی نظر اتنی وسیع نہیں، اسے صرف ایک دلیل پہنچی اور مجتہد کا قول اس دلیل کے ظاہری معنی کے خلاف لگا تو صرف اتنی بات پر یہ مخالفت کا فیصلہ نہ کرے۔ اس صورت میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ مجتہد کی دلیل دوسری آیت یا حدیث ہے اور جو اس شخص کو معلوم ہوئی اسے اس مجتہد نے منسوخ یا مؤول یا مرجوح قرار دیا ہے، لہٰذا ایسے مواقع پر سہولتِ تفہیم کے لیے اکثری قاعدے کو بطورِ علامت ذکر کر دیا گیا ہے۔ یہ صحیح مراد ہے ان تین قواعد کی۔ ان الفاظ کے ظاہر سے جو شبہ ہو سکتا ہے کہ آیت یا حدیث کو مجتہد کے قول کے تابع قرار دیا گیا ہے، سو معاذ اللہ! یہ تو کسی عام مسلمان کی بھی مراد نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ امام کرخیؒ جیسے جلیل القدر فقیہ کی یہ مراد ہو! اتنا حسن ظن تو ہر مسلمان کا حق ہے کہ اس کے کلام سے حتی الامکان صحیح معنی مراد لیے جائیں۔ اور یہ معنی ان قواعد کے الفاظ میں غور کرنے سے بھی سمجھ میں آتے ہیں، کیونکہ ان قواعد میں نسخ، ترجیح اور تاویل کا ذکر ہے اور یہ سب دلیل معارض کے پائے جانے کی وجہ سے ہوتے ہیں، تو ان میں دوسری دلیل کے ماخوذ و مستدَل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہی ان قواعد کی غرض اور صحیح مراد ہے۔ حاکمؒ کہتے ہیں:

''ولعل متوهمًا يتوهم أن لا معارض لحديث صحيح الإسناد آخر صحيح. وهٰذا المتوهم ينبغي أن يتأمل كتاب الصحيح لمسلم حتى يرى من هٰذا النوع مايمل منه.'' (المستدرك: ۱ / ۳۴۹)

''ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ وہم ہو کہ حدیث صحیح کے معارض دوسری صحیح حدیث نہیں ہوتی! اُسے چاہیے کہ صحیح مسلم میں غور کرے۔ اس قسم کی اتنی مثالیں ملیں گی کہ جی بھر جائے گا۔''

قرافیؒ کہتے ہیں:

’’كثير من فقهاء الشافعية يعتمدون على هٰذا و يقولون : مذهب الشافعي كذا، لأن الحديث صح فيه، وهو غلط، فإنهٗ لابد من انتفاء المعارض والعلم بعدم المعارض يتوقف على من لهٗ أهلية استقراء الشريعة حتى يحسن أن يقول: لامعارض لهٰذا الحديث. وأما استقراء غير المجتهد المطلق فلاعبرة به.‘‘ (شرح تنقيح الفصول :ص ٤٥٠)

’’بہت سے فقہاء شافعیہ اس کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شافعیؒ کا مذہب یہ ہے، کیونکہ اس بارے میں صحیح حدیث آئی ہے۔ یہ بات غلط ہے، کیونکہ معارض نہ ہونے کا علم ضروری ہے، اور یہ علم اسے ہوگا، جسے (دلائل) شرع کے استقراء کی اہلیت ہو، تا کہ اس حدیث کے معارض کی نفی کر سکے۔ رہا غیر مجتہد مطلق کا استقراء سو اس کا اعتبار نہیں۔‘‘

اس موضوع پر مستقل رسالہ

احمد بن باکر صالح باکری کا اس بارے میں ایک رسالہ ہے:

’’مقولة الإمام أبي الحسن الكرخي ت: ٣٤٠ رحمه الله : كل آية أو حديث يخالف ما عليه أصحابنا، فهو مؤول أو منسوخ : دراسة أصولية فقهية.‘‘

باحث اپنے رسالے کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں:

’’هٰذه المقولة التي اشتهرت عنه وكانت مثارًا لتشنيع كثير من الباحثين في تاريخ الفقه وأصوله ووصفوا قائلها بالغلو في التعصب المذهبي والتقليد الأعمى ورد نصوص الشريعة بأقوال الفقهاء ولاريب أن هٰذه التهمة لايتّهم بها مسلم عادي فضلًا عن فقيه وأصولي كبير كالإمام الكرخي. وتبين من خلال تتبّع سياق هٰذه المقولة أنها مسلك أصولي معتمد جرى عليه فقهاء الإسلام قديمًا وحديثًا وفي جميع المذاهب الفقهية كما بينتهٗ وقررتهٗ في هٰذا البحث نظريًا وتطبيقًا.‘‘

’’یہ امام کرخیؒ کا مشہور قول ہے، یہ ان پر فقہ اور اصول کی تاریخ کے بہت سے باحثین کی تشنیع کا سبب بنا ہے۔ اور انھوں نے اس کے قائل کو تعصبِ مذہبی میں غلو اور اندھی تقلید کا مرتکب اور نصوصِ شریعت کو فقہاء کے اقوال سے رد کرنے والا کہا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ تہمت عام مسلمان پر بھی نہیں لگائی جا سکتی، چہ جائیکہ امام کرخیؒ جیسے بڑے اصولی پر لگائی جا سکے۔ اس قول کے سیاق سے واضح ہوا ہے کہ یہ اصولیین کا ایک معتبر منہج ہے، جسے قدیم اور جدید دور کے فقہاء اور سب فقہی مذاہب نے اختیار کیا ہے، جیسے میں نے اس بحث میں نظری اور تطبیقی طور پر واضح اور ثابت کیا ہے۔‘‘

هٰذا ورحم الله جميع أئمة المجتهدين وعلماء المسلمين، آمين